بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اسلامی احیاء کے لیے فکری اور عملی اقدامات

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

بیسویں صدی کی مسلم دنیا میں مختلف محاذوں پر اہل علم نے جو کارنامے انجام دیئے، ان کی اہمیت کے پورے احساس کے ساتھ، ان تمام کوششوں میں برصغیر میں اُبھرنے والی فکری انقلابی تحریک جس کی قیادت علامہ اقبال اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے کی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ء-۱۸۹۷ء)، محمد عبدہٗ (۱۸۴۹-۱۹۰۵ء)، امیر شکیب ارسلان (۱۸۶۹ء-۱۹۴۶ء) اور سیّد احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) نے اپنے اپنے شعبے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں، لیکن ان کے اثرات اپنے دائرہ کار تک محدود رہے۔

علامہ اقبال، حسن البنا اور سیّد مودودی کی اجتہادی فکر اور دعوتی قیادت نے دعوتِ فکر کو ایک منظم عملی تحریک اور منصوبۂ اصلاح میں تبدیل کیا۔ جس کے اثرات ایشیا، یورپ، افریقہ، لاطینی امریکا اور شمالی امریکا وغیرہ میں نہ صرف رجالِ کار کی شکل میں بلکہ دعوتی اداروں اور تحریکات کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ علّامہ اقبال، حسن البناء، سیّد قطب اور سیّد مودودی کی تحریریں دُنیا کی ۴۵ سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہوکر دُنیا بھر میں پھیل چکی ہیں۔ یہاں پر ان تحریروں کے اثرات کا جائزہ مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف یہ اشارہ کرنا ہے کہ ان کی فکر کے زیر اثر مسلم دنیا میں اسلامی احیاء کے کن زاویوں پر کام ہوا اور کن پر کام کی ضرورت ابھر کر سامنے آئی۔

مادیت اور لادینیت پر مبنی مغربی فکر کا محاکمہ

مسلم دنیا میں کسی بھی احیائی کام کے لیے اس بات کی ضرورت تھی، اور آج یہ بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کہ مغربی فکر کو جسے 'عالم گیریت' کے عنوان کے تحت بہت سلیقے اور چابک دستی کے ساتھ

پوری مسلم دنیا میں نظامِ تعلیم، سیاسی اداروں، عدالتی نظام اور دفاعی نظام کے ذریعے مسلط کیا گیا اور نتیجتاً مسلم تہذیب اور مسلم معاشرت اس کا پہلا ہدف قرار پائے۔ مابعد جدیدیت کے دور میں فکرِ مودودی نے پہلا اہم کام الحاد، مادیت، یورپی ثقافت کے عالم گیریت کے نام پر سامراجی حاکمیت کی شکل میں مسلم ممالک میں رائج کیے جانے کا تنقیدی محاکمہ کیا۔ پھر سرمایہ دارانہ، ملحدانہ اور اشتراکیت پر مبنی تصورات کا علمی رَدّ کے ساتھ اسلامی نظامِ حیات کو بطور بہتر اور اعلیٰ متبادل کے پیش کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم دنیا میں ایک فکری انقلاب، توحیدی فکر کی شکل میں مغرب کے پیدا کردہ عصری، معاشرتی، سیاسی اور معاشی مسائل کا متبادل حل پیش کرے۔ اس کا فکری معیار وہ ہو جو مغربی فکری سحر کو توڑ کر اسلامی فکر و تہذیب کے خط و خال کو عرق ریزی کے ساتھ پیش کرتا ہو۔

مغربی استعاریت کا انسانی حقوق کے نام پر استحصال

ڈھائی سو سال کی ذہنی، سیاسی، ثقافتی اور صحافتی غلامی نے مسلم ممالک کی آبادیوں کے ذہنوں کو اس طرح یورپ کے فکری سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ آج ہر وہ قدر جو یورپی سند رکھتی ہو، عالمی طور پر ترقی کا پیمانہ سمجھی جاتی ہے۔ بڑی واضح مثال برطانیہ کے دو پیشہ ورانہ ادارے یعنی Times کی Ranking علمی درجہ بندی اور دوسرا Q.S (کوالٹی سسٹم) کی درجہ بندی ہیں، جو نہ صرف مسلم دنیا بلکہ عملاً ان تمام ممالک میں جن پر یورپی سامراج کے اثرات رہے ہیں اور ہیں، وہ ان کی جامعات کی درجہ بندی کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد پر اور یونی ورسٹیوں میں طالبانِ علم داخلہ لینے کی دوڑ میں شامل ہوتے ہیں۔ جو پیمانے انھوں نے بنا دیئے ہیں وہی طے کرتے ہیں کہ کون سی جامعہ ترقی کر رہی ہے اور کون سی جامعہ رُوبہ زوال ہے؟ ایسے ہی HDI (ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس) جو یہ طے کرتے ہیں کہ انسانی زندگی کس معیار کی ہے اور خود انسان کتنے ترقی یافتہ ہیں؟ اس کا پیمانہ یہ ممالک اور ان کے دانش ور نہیں بلکہ مغرب طے کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اگلی صدی میں جن ممالک اور قوموں کو زندہ رہنا ہے یا رہنے کا حق نظری طور پر ملنا چاہیے۔ ان کے ۱۷ معیارات SDG's (سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ گولز) بھی یورپ اور امریکا متعین کرتا ہے۔ جس کی بنیاد پر نہ صرف مسلم ممالک بلکہ پوری دنیا کے نظامِ تعلیم کو پڑھایا جائے گا، خواتین کے حقوق کون سے ہوں گے؟ وہاں کا سیاسی نظام کس قسم کا ہوگا؟ غرض ان کی قومی ضروریات وہ ممالک نہیں بلکہ مغرب طے کر کے دیتا ہے

اور ان ممالک کا کام صرف ان اہداف کے حصول کے لیے اپنے تمام وسائل کا لگا دینا ہے۔

یہی شکل نام نہاد انسانی حقوق کی ہے۔ انسانی یا حیوانی حقوق (ہم جنسیت کا ریاستی سطح پر جائز اور قابل قبول طرزِعمل ہونا) مغربی سامراجی ادارے طے کرتے ہیں، چنانچہ ان SDG's کا نعرہ بھی اقوام متحدہ کے نقارخانے میں گونجتا ہے۔ پھر مسلم ممالک میں ان کے زیراثر طاقت ور حلقے فخر سے دعویٰ کرتے ہیں کہ آیندہ ۲۰ یا ۳۰ سال میں ہم ان تمام معیارات پر اپنے فکری آقاؤں کی خواہش کے مطابق عمل کر کے اباحیت، مادیت اور عریانیت کا نفاذ اور خاندانی نظام سے نجات حاصل کرنے کے بعد برضا و رغبت مغربی استحصالی، معاشی اور سیاسی نظام کے جال میں مکمل طور پر پابند سلاسل ہونے کا اعزاز حاصل کرلیں گے۔ اس بات کو دُکھ کے ساتھ نہیں بلکہ فخر اور خوشی کے شادیانوں کے ساتھ سربراہانِ ممالک اور وزرائے بے اختیار اپنے بیانات میں پے درپے بیان فرماتے ہیں۔ لیکن اللہ کی مشیت ان کے تمام منصوبوں سے برتر ہے--- ان شاء اللہ، مسلم ممالک کے باشعور نوجوان اس خواب کو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیں گے۔

تعلیم کی تدوینِ جدید کے لیے عملی اقدامات

یہ وہ بنیادی کام ہے جس کے بغیر تمام سیاسی سرگرمیاں، جلسے، جلوس اور عوامی مقبولیت کے دعوے اور مظاہرے بے معنی ہیں۔ اسلام کا تصورِعلم وحی کی صداقت، کاملیت، عملیت اور عالم گیریت پر مبنی ہے۔ یہاں علم نہ محض تجرباتی ہے، نہ محض قیاسی، نہ محض استقرائی یا استخراجی، اور نہ صرف حسی تجزیاتی یا وجدانی، بلکہ ان تمام معروف اور رائج ذرائع علم سے ماورا، صدق، حق، علم نافع اور معروف پر مبنی وہ علم ہے، جو وقت اور مکان کی قید سے آزاد اور انسانی فطرت اور مقصد حیات اور مقاصد شریعت کی بنیاد پر اصلاح، ترقی اور سعادت و کامرانی کی ضمانت دیتا ہے۔

جب کہ مروجہ علم کی تقسیم یہ ہے کہ علم دنیاوی چیز ہے۔ چنانچہ انجینئرنگ، میڈیکل اور دیگر شعبہ ہائے علم دنیاوی سمجھے جاتے ہیں، جو روزی کمانے کے لیے ہیں۔ ان کے برعکس یہ تصور کیا جاتا ہے کہ دینی علوم قرآن و حدیث، فقہ، کلام وغیرہ کا تعلق تو صرف روحانی بالیدگی کے لیے ہے۔ یہ ایک سخت غیر اسلامی تقسیم ہے جو مسلم دنیا میں صدیوں سے رائج ہے۔ وحی الٰہی قرآن کریم کی شکل میں ہو یا اس کی تطبیقی شکل میں سنت رسولؐ کی شکل میں ہو، ہر دو شکلوں میں زندگی کو غیر منقسم اور توحید

کا مظہر تسلیم کرتی ہے۔ انسان کی معیشت، معاشرت، سیاست، جنگ و جدل، کائینات میں تحقیق و جستجو ہر شے کو دین کا حصّہ اور دین کی رہنمائی پر مبنی قرار دیتی ہے۔ وحی کی کاملیت، جامعیت اور عملیت کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ محراب و منبر تک محدود نہیں ہے بلکہ عدالتیں ہوں یا ایوان نمائندگان یا معاشی منڈیاں اور دانش وروں کے قیاسی محل، ہر انسانی سرگرمی کو وحی الٰہی کے مطابق تشکیل دینا اور اسلام کو 'نظریہ' کی جگہ 'نظام' سمجھتے ہوئے اس کے نفاذ کے لیے فکر، جان، مال کو کھپا دینا، علمِ نافع کے پیدا کرنے کے لیے تمام ذہنی قوتوں کو صرف کر دینا، دین کا مقصد و مدعا ہے۔

دینی اور دنیاوی تعلیم کی تقسیم کا تصور دراصل ایک سیکولر تصور ہے کیونکہ سیکولرزم آسان لفظوں میں Dualism یا ثنویت کا نام ہے کہ زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک خانہ مسجد اور کلیسا کا ہو، اور دوسرا خانہ مارکیٹ، سٹاک ایکسچینج اور پارلیمنٹ کا پھر ان دونوں کا کوئی اتحاد اور امتزاج نہ ہونے پائے۔ اسلامی یا اخلاقی علم اس دوعملی کو توحیدی نظام میں تبدیل کرتا ہے۔ اس لیے علم کی تعریف اور علمِ نافع کا حصول اور معاشرے میں مختلف جہتوں میں عملی ترقی، جب تک توحیدی تصورِ علم کے مطابق نہیں ہوگی، نہ ہم ذہنی غلامی سے نکل سکتے ہیں اور نہ اللہ کی حاکمیت تمام شعبوں پر قائم کر سکتے ہیں۔

اسلامی نظام اور اسلامی نظریے کا فرق

مسلم دنیا کے مقتدر طبقے اسلام کو نظریہ تو مانتے ہیں، نظام نہیں مانتے۔ وہ حرم کعبہ کی طرف جاتے وقت اللہ اکبر، لا إلٰہ إلّا اللہ اور لہ الحمد و لہ الملک کا اعلان تو بلند آواز میں کرتے ہیں، لیکن بادشاہتوں اور سودی تجارتی منڈیوں اور بنکوں کے بغیر زندگی کو نامکمل بھی سمجھتے ہیں۔ اس لیے اسلام کو بطور نظامِ حیات سمجھنے اور کم از کم اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں نافذ کر کے اس کی عملیت کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام صرف ایسی نوجوان نسل کر سکتی ہے، جس کے خون میں ایمان کی حرارت ہو اور نسل پرست سفید فام یورپی سامراجیت کی غلامی سے اس کا ذہن اور روح پاک ہو چکی ہو۔ الحمدللہ، آج ایسے سیکڑوں نہیں لاکھوں نوجوان مسلم اور غیر مسلم دنیا میں موجود ہیں، اور یہی اسلام کی نشاتِ ثانیہ یعنی زوال سے عظمت کی سمت کے سفر کا ذریعہ بنیں گے، ان شاءاللہ۔

مساجد کا تحریکی نظام

مسلم دنیا میں مساجد اس وقت سرکاری، لادینی نظام یا نظام بادشاہی کی صدائے بازگشت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ ملایشیا ہو یا ترکی یا کچھ اور، نام نہاد مسلم ممالک مطبوعہ سرکاری خطبہ جس میں آج تک سلطان کو ظلِ اللہ کا درجہ دیا گیا ہے، عوام الناس کے سامنے سنا دیا جاتا ہے۔ ان تمام مساجد میں حلقۂ غور وفکر قائم کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ تعلیم یافتہ افراد کے ساتھ عوام میں بھی دین کے نظریے کی جگہ نظامِ تربیت ہونے کا تصور واضح کیا جاسکے اور زمامِ کار کی تبدیلی کے لیے افرادی قوت کو فکری تطہیر وعملی تنظیم کے ذریعے یکجا کیا جائے۔

نظریاتی افرادِ کار کی تیاری

عوامی اجتماعات اور 'عوامی قوت' کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ایک نظریاتی تحریک اور ایک عوامی تحریک میں بنیادی فرق ہے۔ تحریکات اسلامی کی اصل پہچان ان کی سیرت وکردار کی اثر انگیزی ہے، کثرت تعداد نہیں۔ قرآن کریم نے ۲۰ صابرین کو ۲۰۰ گمراہ افراد پر غالب قرار دیا ہے، یعنی اصل قوت تقویٰ، صبر، استقامت اور توکل علی اللہ کی ہے، عددی اکثریت کی نہیں۔ اسلامی احیاء کے لیے اصول بھی قرآنی ہی ہوں گے۔ کسی مقام پر کسی سیاسی جماعت کے کامیاب ہوجانے سے ایک اصول وجود میں نہیں آتا۔ اصول وصداقت وہ ہے، جو قرآن وسنت کے نصوص پر مبنی ہو۔ تحریکات اسلامی کو اپنی علمی، سیرت وکردار اور عصری مسائل سے آگاہی کے ساتھ ان کے قابلِ عمل اسلامی حل انسانوں کے سامنے پیش کرنے ہوں گے۔

یہ کام محض دعوے سے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے طویل المیعاد منصوبہ بنا کر مالی وسائل فراہم کرنے اور افرادی وسائل کی تلاش وتیاری کی ضرورت ہے۔ ایسے افرادکار کی تیاری جو قرآن وسنت، فقہ اور جدید علمی رجحانات پر عبور رکھتے ہوں اور ان میں تخلیقی صلاحیت ہو۔ جب تک ایسے افراد کی ایک جماعت زندگی کے ہر شعبے میں تیار نہ ہوجائے، تحریکات اسلامی مطلوبہ تبدیلی نہیں لاسکتی ہیں۔ خواہشوں سے زیادہ ٹھوس انسانی وسائل کی تیاری تحریکات کا ہدف ہونا چاہیے۔ یہ کام وہی کرسکتے ہیں جو مستقلاً حصولِ علم اور تحقیق کے عادی ہوں۔ شہرت کی جگہ گوشہ نشینی کے ساتھ اس علمی جہاد کے ذریعے معاشرے کے عام انسانوں کو اسلام کے عظیم پیغام کے عملی پہلو سے متعارف کرا سکتے ہوں۔

مسلکیت کی قید سے بلند ہونے کی ضرورت

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ لادینیت اور مغربیت کے فروغ کے باوجود مسلم دنیا اور خصوصاً پاکستان میں دینی مدارس کے ذریعے تعلیم پانے والے مدرسہ کے مسلک سے وابستہ طلبہ غیرشعوری طور پر اپنے مسلک کو راجح اور دیگر مسالک کو مشتبہ تصور کر لیتے ہیں۔ یہ بنیادی کام ہے کہ دین کی اس وسعت کو جس میں شوریٰ کی فرضیت نے تبادلۂ خیالات، مشاورت، بحث ومباحثہ اور تقلیدِ جامد کو توڑنے کی راہ پیدا کی ہے، اس کا شعور عام کیا جائے۔ اس بات کو آگے بڑھایا جائے کہ صرف قرآن وسنت کے براہِ راست فہم سے عصری مسائل پر اظہارِ خیال کیا جائے، تاکہ آہستہ آہستہ مسلکی ذہنی جمود سے نکالا جاسکے۔ درحقیقت ملت اسلامیہ کی بنیاد پر اتحاد قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ کشمیر اور غزہ اور فلسطین میں کوئی دشمنِ اسلام کسی کا مسلک نہیں پوچھتا، صرف مسلمان ہونا اس کے شہید کیے جانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

یہ کام صرف تحریکات اسلامی ہی کرسکتی ہیں کیونکہ وہ اپنی اپنی جگہ فقہی رہنمائی حاصل کرنے کے باوجود، وسیع تر دائرے میں اپنے آپ کو اُمت سے وابستہ سمجھتے، قرار دیتے اور عملاً چل کر دکھاتے ہیں۔ وہ نہ مولانا مودودی اور نہ شہید حسن البنا کو، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مترادف قرار دیتی ہیں، اور نہ تحریکات اسلامی کے ان داعیوں نے اپنی رائے کو تحریک پر نافذ کرنے کی کوئی کوشش یا مثال قائم کی ہے۔

دلوں کو جوڑے بغیر اور مسلکی فاصلوں کو کم کیے بغیر، کوئی اصلاحی عمل آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تحریکی افراد خود فقہ کا تقابلی مطالعہ اور خصوصاً رواس قلعجی کی موسوعۃ فقہ الاسلامی جس کا ترجمہ اردو میں ہوچکا ہے، اس کا سبقاً سبقاً مطالعہ کیا جائے تاکہ وہ توسیع فکر پیدا ہو جو تحریکات اسلامی کا خاصہ ہے۔

پچاس سالہ حکمت عملی کی تشکیل

تحریکات اسلامی کی نوجوان قیادت کو اپنے اپنے دائرکار سے نکل کر عالمی تناظر میں رُوبہ زوال مغربی تہذیب کا براہِ راست تحقیقی مطالعہ کرنا چاہیے اور اسلامی تحریکات کے آیندہ ۲۵ برسوں میں جو فکری اور عملی تقاضے اور محاذ سامنے آنے والے ہیں، خصوصاً برقی ابلاغ عامہ

اور مصنوعی ذہانت (AI) کے کثرت سے استعمال کو سامنے رکھتے ہوئے طریقِ دعوت، دعوتی مواد اور داعی کی مطلوبہ شخصیت و کردار کے حوالے سے حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض عوامل مشترک ہیں اور بعض مخصوص ہیں، جو مشترک ہیں ان میں تعاون اور ایک دوسرے کے تجربات سے سیکھنا اور ان کو تسلیم کرنا ہی تحریکی حکمت عملی کا مطالبہ ہے۔

مختلف مقامات پر حالات اور مقامی تناظر میں حکمت عملی کا فرق ایک فطری عمل ہے جسے نظر انداز کرنا بھولپن ہے۔ اس لیے ایک مقام کی حکمت عملی کو دوسری جگہ آنکھیں بند کر کے اختیار کرنا بھولپن ہی نہیں حماقت بھی ہوگا، ایسے بھولپن کی بنا پر خصوصاً نوجوان کارکن، تیونس اور ترکی کی مثال بطورِ تقلید بغیر کسی تحقیقی مطالعے کے پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ان خطوط پر کام کیا جائے تو تحریک جلد اپنا مقصد حاصل کر لے گی۔ یہ تصور، عقلی اور تحریکی دونوں زاویوں سے سخت نظرثانی کا مستحق ہے۔ حقائق وہ نہیں ہیں، جو تخیل و تصور میں قیاس کر لیے گئے ہیں۔

مثبت اجتہادی منہج

تحریکات اسلامی کو ردعمل کی ذہنیت سے نکلنا اور جاہلیت کے منابع کو سمجھ کر ان سے خطاب کرنا ہوگا۔ اس طرح ایک صحت مند مکالمہ جو قرآنی مطالبہ ہے، انھی شرائط پر کرنا ہوگا۔ بعض مسلم ممالک نے مغرب کی نقالی میں جو کوششیں کی ہیں، وہ سخت معذرت پسندانہ رویے کی مظہر ہیں۔ اسلام کے واضح اور ابدی اصولوں پر مبنی دینی، عملی، معاشرتی، معاشی، سیاسی مسائل کو مخاطب کرتے ہوئے مکالمہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں بغیر کسی معذرت خواہی کے جہاد، خواتین کے حقوق، جنسی بے راہ روی، اسلامی ریاست اور پاپائیت پر مبنی عیسائی تصور وغیرہ پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ عالمی آبادی کا پھیلاؤ، موسمی تغیرات، معاشی اور دفاعی حکمت عملی، مظلوم مسلم اقلیات اور مظلوم مسلم اکثریتی عوام کے مسائل پر زمینی حقائق کی روشنی میں تبادلۂ خیال کیا جائے تو نظر آئے گا کہ جتنی مسلم دنیا میں مسلم آبادی مظلوم اور بے بس ہے، شاید اس سے کچھ کم وہ ان نام نہاد جمہوری ممالک میں نہیں ہے جو اپنے لبرل اور جمہوری ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود اپنی نسلی قوم پرستی کی بنا پر وہ مغربی آٹھ بڑے قبیلے ہوں (گروپ آف جی ۸) یا ۲۲ ممالک کا اتحاد، دوسروں کو تو چھوڑیں ایک طرف، وہ خود اپنے عوام کو بھی حقوق دینے میں ناکام رہے ہیں جن پر

دن رات تقاریر کی جاتی ہیں۔اس مکالمے کے لیے تحقیقی مواد کی تیاری، موضوعات اور کس وقت کس موضوع کو اٹھایا جائے ، یہ سب کام غور وخوض کے بعد کرنے کی ضرورت ہے اور اس حکمت عملی کی تیاری میں مسلم ممالک کی تحریکی قیادت کو متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔

ابلاغی جہاد

گذشتہ پانچ عشروں میں بار بار اس عزم کے اظہار کے باوجود کے بس چند دنوں میں، ملّت کے مفاد کو پیش نظر رکھنے والا چینل وجود میں آجائے گا، آج تک اس کام کو ترجیح کا مستحق نہیں سمجھا گیا۔آج کا دور برقی ترسیل کا ہے۔ڈیجیٹل میڈیا کی طاقت کے استعمال کے بغیر کوئی نظریاتی جنگ نہیں لڑی جاسکتی۔ایک نہیں دس ایسے اداروں کی ضرورت ہے، جو اسلامی تہذیب وتمدن اور اس کے حرکی واطلاقی پہلو کی دعوت وفکر کے مختلف پہلوؤں کو پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ پیش کرسکیں۔(کسی حد تک الجزیرہ کی مثال سامنے ہے۔اس سے قطع نظر کہ وہ کس فکر کا نمایندہ ہے، اس نے اپنا ایک مقام پیشہ ورانہ حیثیت سے منوایا ہے)۔

پہلے ہی بہت وقت ضائع ہوچکا ہے۔اب مزید گنجایش نہیں ہے اور بغیر کسی تاخیر کے نہ صرف مستقل چینل بلکہ آن لائن بیسیوں چینل اور سوشل میڈیا پر متاثر کن پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔اس تعمیری فکر کو عمومی سطح پر نوجوانوں کے لیے، بچوں کے لیے، اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کے لیے، خواتین کے لیے، تاجروں کے لیے اور دیگر پیشہ ورانہ افراد کے لیے ان کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کرکے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔یہ کام کسی بڑے سرمایے کا محتاج نہیں، صرف ترجیح اور چند پُرعزم افراد کا اپنے کو اس کے لیے وقف کرنے کی ضرورت ہے۔

تحریکات اسلامی کو اپنی ترجیح میں اولین ترجیح، فکری تطہیر اور تحریکی فکر کے نمائندہ افراد کار کی تیاری کو رکھنا ہوگا۔تحریک کو عوامی بنانے کی خواہش میں اس اوّلین ترجیح پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔مغرب سے ہمارا مقابلہ محض معاشی اور مادی یا سائنسی تحقیقی میدان میں نہیں ہے، بلکہ اصل مقابلہ فکری، ثقافتی، معاشرتی اور خاندانی سطح پر ہے۔اس کے لیے تحقیق پر مبنی مطالعے کی مسلسل کاوشوں اور ایسی حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے، جو تعلیم کو قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک بالکل نئی متحرک شکل دے سکے۔

انسانیت کا مستقبل

انسانیت کا مستقبل اسلام پر منحصر ہے۔ انسان کے اپنے بنائے ہوئے تمام نظریات ناکام ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی کے لیے کامیابی کا اب کوئی موقع نہیں۔ اور انسان میں اب اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ پھر کسی نظریہ کی تصنیف اور اس کی آزمایش پر اپنی قسمت کی بازی لگا سکے۔ اس حالت میں صرف اسلام ایک ایسا نظریہ و مسلک ہے جس سے انسان فلاح کی توقعات وابستہ کر سکتا ہے، جس کے نوعِ انسانی کا دین بن جانے کا امکان ہے۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ دُنیا بس مفتوح ہونے کے لیے تیار بیٹھی ہے۔ ایک تہذیب کا سقوط اس طرح واقع نہیں ہوتا کہ آج چٹیل میدان ہے اور کل کسی منتر کے زور سے ایک عالیشان قصر بن کھڑا ہو۔ گرنے والی تہذیب کے افکار، اصول، طریقے، مدت ہائے دراز تک دلوں اور دماغوں پر، علوم و آداب پر اور تمدن و معاشرت پر اپنا اثر جمائے رہتے ہیں۔ اس اثر کا استیصال خود بخود نہیں ہو جاتا، کرنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح گرنے والی تہذیب کے علَم بردار بھی زوال پذیر ہونے کے باوجود سالہا سال تک زمین پر قبضہ جمائے رہتے ہیں۔ وہ خود جگہ چھوڑ کر نہیں ہٹ جاتے، ہٹانے سے ہٹتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، نئی تہذیب پر نئی عمارت بنانا بھی کوئی کھیل نہیں ہے۔

اس کام کے لیے ایک زبردست تنقیدی، تخریبی اور تعمیری تحریک کی ضرورت ہے جو ایک طرف علم و فکر کی طاقت سے پرانی تہذیب کی جڑیں اُکھاڑ دے اور دوسری طرف علوم و فنون و آداب کو اپنی مخصوص فکری بنیادوں پر از سرِ نو مدوّن کرے، حتیٰ کہ ذہنی دُنیا پر اِس طرح چھا جائے کہ لوگ اُسی کے طرز پر سوچنا اور محسوس کرنا شروع کر دیں۔ ایک طرف اُن پرانے سانچوں کو ڈھائے جن میں انسانیت ڈھلا کرتی تھی اور دوسری طرف نئے سانچے تیار کرے جن میں نئے اخلاق اور نئی سیرتوں کے آدمی ڈھلنے لگیں۔ ایک طرف پرانے نظامِ تمدن و سیاست کو بزور مٹائے اور دوسری طرف ایک پورا نظامِ تمدن و سیاست اپنے اصولوں پر عملاً قائم کر دے..... لہٰذا آج دُنیا کا مستقبل درحقیقت اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی نظریۂ حق انسان کو ملتا ہے یا نہیں، کیونکہ نظریۂ حق تو موجود ہے، البتہ وہ اگر منحصر ہے تو اس امر پر ہے کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا گروہ اُٹھتا ہے یا نہیں جو سچّے، ایمان دار، دُھن کے پکّے اور اپنی ہر عزیز و محبوب چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہو۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

(عطیۂ اشتہار: صوفی بابا) (تحریک آزادیٔ ہند اور مسلمان، اوّل)

تحریک اسلامی کا مستقبل

حق و باطل کی جو قوتیں آج برسرِ پیکار ہیں، جب ہم ان کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات کا موازنہ کرتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ حالات اسلام کی کامیابی اور سربلندی کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ میں جن وجوہ کی بنا پر یہ بات کہتا ہوں وہ یہ ہیں:

• اسلام کے علاوہ جتنے بھی نظریات ہیں ان سب کو دورِ حاضر میں جانچ اور پرکھ کر دیکھا جاچکا ہے اور وہ سب ناکام رہے ہیں۔ باطل قوتوں کے پاس آج کوئی نظریہ باقی نہیں رہا ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں فی الواقع لوگوں کے لیے کشش ہو۔ ہم اس بات کا مشاہدہ کررہے ہیں کہ انھیں اسلام کا لبادہ اُوڑھ کر آنا پڑتا ہے۔ ان کے کھوکھلے پن کا اس سے واضح ثبوت اور کیا ہوگا۔

• اس ملک میں جتنے بھی گروہ اور جتنی بھی قوتیں موجود ہیں، وہ ایک ایک کرکے آزمائش کے مقام پر آتا چلا جارہا ہے اور اپنی نااہلی اور نالائقی ثابت کرتا چلا جارہا ہے، خواہ آپ سیاسی گروہوں کو لیں، خواہ دوسرے طبقات کو، ہر ایک آزمائش کی کسوٹی پر کھوٹا ثابت ہوا ہے اور ہورہا ہے۔ اس کے نتیجے میں قوم ان میں سے ایک ایک سے مایوس ہوتی جارہی ہے اور ایک وقت آئے گا کہ وہ ان سے بالکل مایوس ہوجائے گی اور قوم میں خود ہی کسی قابلِ اعتماد عنصر کے لیے پیاس پیدا ہوگی، بلکہ ان حضرات کی کارگزاریوں کی وجہ سے پیدا ہونی شروع بھی ہوگئی ہے۔ جیسے جیسے یہ پیاس بڑھے گی ـــــ اور اسے لازماً بڑھنا ہے ـــــ ویسے ہی ویسے ان شاء اللہ تحریکِ اسلامی کے لیے مواقع پیدا ہوتے جائیں گے۔

• باطل کی قوتیں متحد نہیں۔ ہر ایک دوسرے کی طاقت کو توڑنے اور اس کے اعتماد کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ اس نے تحریک اسلامی کی قوت کو بڑھا دیا ہے۔

• اگر کسی حق بات کے لیے موزوں طریقے پر کام کیا جائے اور کام کرنے والے بھی موزوں ہوں اور کام بھی حکمت و دانش مندی کے ساتھ کیا جائے تو ناکامی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ کامیابی ناگزیر ہے۔ حق کی فطرت میں کامیابی ہے۔ ضرورت جس امر کی ہے وہ موزوں طریقے پر صحیح آدمیوں کے ذریعے اور حکمت و تدبّر کے ساتھ کام کرنا ہے اور الحمدللہ یہ کام ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں تحریک اسلامی کے مستقبل کے بارے میں پُراُمید ہوں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

(خیرخواہ)

(ماہ نامہ چراغ راہ، تحریک اسلامی نمبر)